ہم کو کیا ملا؟

علامہ نصیرؔ اجتہادی صاحب پاکستان

کربلا کا خونی واقعہ اپنے دامن میں ہزار ہا عبرتوں کو، بے شمار نصیحتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ حکمتوں کا ایک دفتر، معارف کا ایک سمندر ہے جو نینوا کے ہر ذرہ میں موجزن ہے۔ اگر ایک طرف زُہرہ گداز شیون، جگر خواہش داستان ہے تو دوسری طرف فدا کاری حق کا پُرنور جلال اور کامیابی حق کے مسرت بار احساسات کروٹیں لے رہے ہیں۔ کربلا کی تنگ دامن سطح لیکن بیکراں دست میں بزدلوں کے لئے ہمت، شہزوروں کے لئے حزم وشکیب، بچوں کے لئے جرأت، نوجوانوں کے لئے عزم، بوڑھوں کے لئے جوش وولولہ غرض کہ ہر فرد بنی نوع انسانی کے لئے اس میں زندگی کا ابلتا ہوا سوتا اور جوش مارتا ہوا کوثر حیات ملے گا۔ تلاش کے لئے پائے جستجو کی استقامت اور دیکھنے کے لئے دیدۂ حقیقت نگاہ چاہئے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کربلا کے صفحہ پر اُبھرے ہوئے نقش ونگار، نکھرے ہوئے خدوخال ہمارے لئے کون سا نفع بخش سرمایہ، کون سا سازگار حیات نقشہ پیش کرتے ہیں؟ ہم نے کربلا سے کیا حاصل کیا؟ خون چکاں فرات نے ہم کو کیا دیا؟ کیا صرف ''اشک افشانی''، ہمارا نصیب کیا محض گریہ، ہمارا حصہ اور رونا ہمارا جینا ہے۔ ہم کو حسینؑ نے صرف اشک دیئے اور دنیا کو صد ہزار نعمتیں، ہم کو آب چشم اور عالم کو آب حیات؟ زمانہ کو جواہر آبدار اور ہم کو طوفان سیل غم؟ آہ آہ کیا اپنے حسینؑ سے ہم یہی حاصل کر سکے۔ وہ حسینؑ جس نے ''شعلۂ عمل، شبنم گفتار کی گنگا جمنی نہریں بہا دیں، ہم بڑے بڑے طمطراق کے ساتھ شبنم کے قطروں کو دل صد برگ میں جانشین کیا۔ شعلۂ عمل دوسروں کی ملکیت بن چکا تھا۔ نازک افتاد قطروں سے حیات ملی۔ تعمیر ہو رہی تھی۔ غیروں کے تسخیرانہ قدم بڑھے شعلۂ عمل سے لو کے اُٹھے، ہماری حیات کے دیار جلنے لگے۔ بام ودر پر شعلے بھڑکنے لگے، بڑھتے ہوئے آتش فشاں کو شبنم کے قطروں سے گل کیا جا سکتا تھا، نہ آتش زدہ زخمیوں کی پیاس ہی بجھائی جا سکتی تھی اُف! اُف!

رونا فطری چیز ہے۔ ہر دل گداز افسانہ، ہر رعشہ براندام کر دینے والا منظر ظلم وستم کا تصور، ہر بے مددی کی حکایت انسان سے ''اشک ہائے آتشین'' کا خراج لے سکتی ہے۔ ہر روز ہر لمحہ نہ معلوم کتنی بار آنسو آ ہیں، فغاں دہن وچشم سے نکلتے رہتے ہیں۔ دوستوں کا فراق، بے گناہوں کی اذیت، اقبال کا زوال، عزت رفتہ، یاد گذشتگان، منظر شام غریباں، شہر خموشاں، غرض کہ ہزار ہا سامان ہیں۔ اس معمورۂ عالم میں جو افسردگی چشم کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن کیا حسینؑ کی قربانی بھی بس اتنی ہی وقعت رکھتی ہے کہ ہم رولیں اور بس۔ لاریب گریہ بھی اس داستان کا جز اور اشک باری کی عزاداری

اس عزا کا اہم عنصر ہے۔ لیکن اس وقت تک جب تک کہ مقصد نہ بنے لیکن جب مقصد قربانی ''اشک ارزاں'' بن جائے تو یہ توہین ہوگی حسینؑ کے باطل شکن عزم، حق پرور جوش، اسلام فشاں اقدام، انسانیت نشان رفتار و کردار کی۔ لٰہذا تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ صرف اشک چکانی کے لئے حسین شہید نہیں ہوئے ہیں۔ بے شک ؎

قوم اگر بگریہ میسر شدی وصال
صد باری می تو ان بہ تمنا گریستن

لیکن ایسا نہیں ہے تو ''جاں فشانی بھی ہو اشک افشانی کے ساتھ'' درحقیقت حسینؑ کی قربانی، ایسے کردار ساز اور انسانیت نواز درسوں کا مجموعہ ہے جن کا ظہور حسینؑ سے پہلے اس مکمل ترین شکل میں نہیں ہوا تھا۔

پردہ کشائی عالم سے لے کر اب تک ہزاروں واعظ، ناصح، خطیب، ذاکر، مصلح اور ریفارمر پیدا ہوئے اور انھوں نے درس دیا۔ انسانیت کا سبق دیا، شرافت وتہذیب کا اعلان حق کیا، تبلیغِ شریعت کی، لیکن وہ نامکمل تھا۔ محدود ہونے کے سبب سے ہر دور، ہر زمانہ، ہر قوم سے سازگار وہم آواز نہیں ہوسکتا تھا، لیکن حسینؑ کے کردار میں شعبۂ حیات کا ہر پہلو جگمگا رہا ہے کربلا میں بہتے ہوئے لہو پر ہر رنگ نظر آئے گا۔ کیا کہنا حسینؑ تیرے ساز کا، زمانہ کے دہن سے جو آواز نکلے وہ تیرے ہی نعرۂ حق کی صدائے بازگشت ہے۔

وہ کون سا راستہ تھا جو حسینؑ کے الہامی دماغ نے صلاح وفلاح عالم کے لئے نکالا تھا؟ وہ ''حق پر مرنا اور باطل کو مٹانا'' حسینؑ یہ سبق دے رہے تھے کہ دیکھو جب اظہار حق اور ابطال باطل کا معاملہ سامنے آجائے تو تم سر نہ جھکانا، بلکہ جنگ کرنا۔ قوموں کے عروج وزوال کا راز اس میں مضمر ہے اگر حکومت کے باطل قانون کے صنم ایمائے سجدہ ریزی کریں تو ہمارا یہ فریضہ ہونا چاہئے کہ ان خودساختہ بتوں کو توڑ ڈالیں اور الہٰ حق کے سامنے سر جھکا دیں۔ ''احقاق حق وابطال باطل'' تو حسینؑ کا مرکزی اور مستقل نظریہ ہے لیکن اس سلسلہ میں حسینؑ نے جو خدوخال عمل پیش کئے وہ بھی اک ''درس گاہ آفاقی'' ہے۔ زمانہ جس سے سبق لے سکتا ہے۔

خودداری: جب یہ وقت آجائے کہ ہمارا آئینہ خودداری چور چور ہونے لگے اور ہمارے وقار وتمکنت کے قلعہ پر دوسروں کے اقبال کا جھنڈا لہرانے لگے۔ تو ہم بڑھیں اور اپنی خودداری کو باقی رکھیں چاہے جان چلی جائے لیکن آن پر حرف نہ آئے۔ رخشِ عزم پر سوار، عمل کی تلوار برہنہ کئے ہوئے طوفان کی طرح بڑھو۔ اَلْمَوْتُ اَوْلٰی مِنْ رُکُوبِ الْعَارِ۔ تمہارا نعرہ ہو ممکن ہے کہ تم کام آجاؤ لیکن ناکام نہیں رہوگے۔

استقلال: مصائب کے ہمت شکن تھپیڑے، مخالفت کے رہزنِ قدم ہچکولے بڑھیں لیکن ہم ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹیں۔ ثابت قدمی کے ساتھ جوانمردانہ مقابلہ کرتے رہیں، چاہے سینہ چھلنی ہوجائے، بدن پارہ پارہ ہوجائے، ہاتھ ٹوٹ جائیں، شیر سامنے دم توڑ دے، بے شیر خون اگلنے لگے۔ لیکن قدم میں ارتعاش نہ ہو۔ تلواریں کند ہوجائیں، نیزے اچٹنے

لگیں، تیر بھکنے لگیں لیکن جسم ہمت کی سکت نہ مٹے، پیکرِ عزم کا دم نہ ٹوٹے، دیکھو حسینؑ زیر خنجر ہیں لیکن لبوں پر استقلال کی مسکراہٹ اب تلک مٹی نہیں۔

ہمدردی و رواداری: حسینؑ نے سکھلایا کہ دشمن سے بھی ہمدردی کرو، دم توڑتے ہوئے لشکر دشمن کے ساتھ بھی ''فیض رواں'' رہو۔ حسینؑ سے بہتر عدم تشدد کے نظریہ کا صحیح نبّاض کون ہوگا۔ تباہ حال، ہلاکت سیدہ دشمن کو سیراب کر کے جہاں ہمدردی و بلند ظرفی کا مظاہرہ کیا وہاں عدم تشدد کا بھی برجستہ سبق دیا لیکن جب دشمن کے مجبور ہاتھ لجام پر پہنچے تو آب حیات پلانے والا حسینؑ تیور بدل کر بتلا دیتا ہے کہ دیکھو مقصد سے ٹکرانے والے ''عدم تشدد'' کو ٹھکرا دو۔ ہمدردی کرو مگر مقصد سے بے دردی نہ کرتے ہوئے رواداری ہو مگر مقصد کی خودداری کے ساتھ۔

اتحاد و اتفاق: جس نے حسینؑ کے کارنامہ میں جان ڈال دی۔ جب تک مشن کی تکمیل کے لئے سرگرم اتحاد گروہ نہ ہو۔ باہم شیر و شکر جماعت کا وجود نہ ہو سکے۔ ہم آہنگ و ہم آواز افراد نہ ہوں کامیابی مشکل ہے۔ ۶ لاکھ نہ ہو سوا سے ہوں، ۳۰ ہزار نہ ہوں، ۷۲ ہوں لیکن ان میں اتحاد و اتفاق کی ایسی برقی رو ہو کہ خودی کا احساس ختم ہو جائے۔ سب بے خودی اتحاد میں مست ہوں۔ ہر فرد کی رفتار و حرکت ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ نظر آئے۔ انشقاق کی لکیر، نفاق کی درار تک نہ ہو، پھر یہ جماعت آگے بڑھے گی اور مقصد تک پہنچ جائے گی۔ دیکھو نا بہتّر تھے کربلا میں، مگر اختلاف کی جھلک تک نہ تھی۔ بچے سے بوڑھے تک، مردوں سے عورتوں تک سب ایک دوسرے سے متحد تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص نگینہ ہے خاتم عمل کا، خشت ہے عمارتِ مقصد کی، کامیابی ان کے ساتھ رہی اور ۷۲ نے لاکھوں کو زیر کر دیا۔

قربانی: کیا کہنا جب تمام مراحل طے ہو جائیں، مفاہمت کے حدود، سمجھوتہ کی صورتیں باقی نہ رہیں۔ دشمن یا سر چاہتا ہو یا بیعت، تو فرار پر پہرہ بٹھا دو۔ گذر کے راستے مسدود کر دو۔ بڑھو اور ہمت سے میدانِ اجل میں قدم رکھ دو۔ ایک مرتبہ زمین اپنا محور، فلک اپنا مرکز چھوڑ دے۔ لیکن تمہارے قدم نہ جھجھکیں۔ خدا کے ہاتھ بازار ''زر'' میں بکے ہوئے نفس سے پھر کسی کی بیعت نہ کرنا، سر سے گزر جانا، تن، من، دھن سب قربان کر دینا مگر ضمیر فروشی و مقصد تلفی نہ کرنا، جب قوم و ملت کے بے ہوش چہرہ پر انسان کے لہو کے چھینٹوں کی ضرورت ہو تو ہمت و استقلال سے قربان گاہ پر اپنا سر جھکا دو یہاں تک کہ قربانی کا ہر قطرہ آبِ حیات اور چشمۂ حیوان بن جائے۔ سامنے چمکتا ہوا خنجر ہو، شعلہ زن ریگستان پہلو بدل رہا ہو، خویشوں کے لاشے، بیگانوں کے پیکر خاک و خون میں آلودہ پڑے ہوں، ناموس کے لٹنے کا اندیشہ سامنے ہو لیکن پیشانی پر شکن نہ پڑے۔ استقلال کے ساتھ سر رکھ دو اور بالائے سر چمکتے ہوئے خنجر کو ہلال مقصد سمجھ کر عدم کے ہاتھوں سے حیات کا چہرہ چھپا لو۔ کامیابی تمہاری لاش کے قدم چومے گی اور جو مقصد جی کر حاصل نہ ہو سکا وہ مر کر حاصل کر لو گے۔

۞۞۞